نعیمها، باب فناء الدنیا ح٥٨]

{2} اکثر احادیث میں "اصحابی" یا "من امتی" فرمانے کے بعد ان کا جرم بیان ہونے پر سکوت وارد ہوا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہوگا کہ: ٹھیک ہے انہیں حوض کوثر سے محرومی کی سزا ملنا چاہیے۔ واللہ اعلم

{3} ان میں سے بعض گروہوں پر باقاعدہ "بددعا" بھی آیا ہے۔ جیسے زیر درس حدیث میں آیا ہے " **سحقًا سحقًا لِمَن غَيَّرَ بعدِی**"

{4} بعض گروہوں سے متعلق آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود ہی انہیں حوض کے پاس سے دھتکار دیں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ضرور بضرور کچھ لوگوں کو اپنے حوض سے اس طرح دور کردوں گا، جس طرح ناواقف اونٹ کو حوض سے روکا جاتا ہے۔"

[بخاری ١٣٦/٣ المساقات باب من رأی أن صاحب الحوض أحق ح٢١٩٤ ، مسلم ٦٣/١٥ الطهارة باب استحباب إطالة الغرة ح٣٨، الفضائل باب حوض نبیناح٣٨]

انہی گروہوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے حق میں شفاعت کے بجائے شکایت فرمائیں گے۔ ﴿وقالَ الرسولُ يٰربِّ إنَّ قومِی اتخذُوا هذا القرآنَ مهجورًا﴾[الفرقان ٣٠]

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں رسول اللہ ﷺ متعدد مواقع پر اپنی امت کے گناہگاروں کے حق میں شفاعت فرمائیں گے، حوض کوثر کے پاس بھی جرائم کے مطابق بعض کو شفاعت کے ذریعے نجات دلائیں گے، بعض کو جہنم کی طرف لے جانے پر سکوت اختیار فرمائیں گے اور بعض کے حق میں معاملہ اللہ پاک ہی پر چھوڑیں گے۔ اور بعض کو خود ہی حوض سے دھتکار دیں گے۔ اور بعض کے متعلق بددعا بھی فرمائیں گے۔

اللہ رب العزت تمام اہل اسلام کو عقیدہ توحید واتباع سنت پر متفق فرمائے۔ ذاتی مفادات کی خاطر ظالم حکمرانوں کی حمایت کرنے اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس طرح سب کو روزِ قیامت حوض کوثر کے جام سے سیراب اور شفاعت نبوی سے فیض یاب فرمائے۔ آمین یارب العالمین

اصلاح عقیدہ قسط:۲

تقدیر پر ایمان

میاں انوار اللہ۔اسلام آباد

منکرین تقدیر کو قرآن کا جواب: ﴿**این ما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدة**﴾ [النساء ۷۸] ''جہاں کہیں بھی تم ہوموت تمہیں آ ہی لے گی۔خواہ مضبوط قلعوں میں محفوظ ہو جاؤ۔'' ﴿**کل نفس ذائقة الموت**﴾ [ال عمران ۱۸۵] ''ہر شخص کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔'' یہی وہ عقیدہ ہے جو مسلمانوں کی نا قابلِ ہزیمت جرأت اور غیر شکست پذیر عزیمت اور بے خوف بہادری کا راز ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ: کچھ لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھ لیا کہ مسئلہ تقدیر کے قائل انسان مجبورِ محض ہوتے ہیں۔ انہوں نے یہ نتیجہ بھی اخذ کر لیا کہ انسان اپنی تقدیر پر صابر و شاکر ہو کر سست اور غافل بن کر بیٹھ رہے۔حالانکہ ایسا ہی ہوتا تو نہ انبیاء کی بعثت کی ضرورت تھی، نہ آسمانی کتابوں کے اترنے کی ضرورت تھی۔ نہ تبلیغ وارشاد کی تاکید ہوتی ۔ نہ اصلاح وہدایت کا حکم ہوتا اور اللہ کی مخلوق اپنے حال پر چھوڑ دی جاتی ؛مگر ایسا نہیں ہوا۔ایک لاکھ سے زیادہ پیغمبر بھیجے گئے۔کتنی کتابیں اتریں۔کروڑوں مبلغ پھیلائے گئے ۔ ہدایت وارشاد کی تاکید پہ تاکید آئی۔لوگوں کی دعوت واصلاح ہر مسلمان کا فرض ٹھہرایا گیا۔کوشش ومحنت، سعی وتلاش کی ہر مسلمان کو تاکید کی گئی۔رسول اللہ ﷺ کی جہاد سے عبارت زندگی ہمارے لیے نمونہ ٹھہرائی گئی۔خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام نے اپنے کارناموں سے اس نمونے کی تصدیق کی۔

بخاری شریف میں ہے:'' **اعملوا فکلٌ میَسرٌ لِما خُلقَ له**'' ''لوگو! اپنے اپنے کام کیے جاؤ کہ تم میں سے ہر شخص سے وہی کام صادر ہوں گے، جس (نتیجے) کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔''

ارشادِ الٰہی ہے ﴿**إن سعیکم لشتیٰ ۞ فأما من أعطیٰ واتقیٰ ۞ وصدّق بالحسنیٰ ۞ فسنیسره للیسریٰ ۞ وأما من بخل واستغنیٰ ۞ وکذّب بالحسنیٰ ۞ فسنیسره للعسریٰ ۞ وما یغنی عنه مالهٗ إذا تردیٰ ۞ إن علینا للهدیٰ ۞ وإن لنا للاٰخرة والأولیٰ ۞**﴾ [اللیل ٤-۱۳] ''کہ تمہاری کوشش یقیناً مختلف ہے۔جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور تقویٰ اختیار کیا۔اور بھلی بات کی تصدیق کی۔تو ہم اسے آسان راہ پر چلنے کی سہولت دیں گے۔اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا۔اور بھلائی کو جھٹلایا۔تو ہم اسے تنگی کی راہ پر چلنے کی سہولت دیں

گے۔اور جب وہ (جہنم کے) گڑھے میں گرے گا،تو اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا۔ بلاشبہ راہ دکھلانا ہمارے ذمہ ہے۔اور آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں۔''

حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا''ہر صبح دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ایک یہ کہتا ہے:اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کے عوض اور مال دے۔اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! بخل کرنے والے کے مال کو تلف کردے۔''[متفق علیہ]

تطبیق: (۱) سورۃ اللیل کی مذکورہ آیات قضاوقدر اور سعی وعمل کی باہمی تطبیق کا روشن مینارہ ہیں۔اسلام سے پہلے ان دونوں کی باہمی تطبیق کے انتشار نے اکثر لوگوں کو گمراہی میں ڈال رکھا تھا۔کام کرنا اور عمل کر دکھانا انسان کا فرض ہے۔اس کے مطابق اس کی جزا عطا کرنا جو اس کام کے لیے پہلے سے مقدر ہو چکی ہے،اللہ کا کام ہے۔صالحین کو نیکی کے مزید راستے دکھانے کا نام توفیق اور ہدایت ہے۔جبکہ برے لوگوں کو اللہ کی طرف سے اس توفیق وہدایت کے نہ ملنے کا نام عدمِ توفیق وضلالت ہے۔ان دونوں میں سے ایک کا ملنا انسان کی ابتدائی کوشش سے ہے۔

(۲) اللہ نے اس کی مزید تشریح سورۃ عنکبوت میں بیان فرمائی ہے۔﴿والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وإن اللہ لمع المحسنین ۞﴾''اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں راہیں دکھلا دیتے ہیں۔اور اللہ یقیناً اچھے کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''[العنکبوت ۶۹] دیکھئے کتنا واضح بیان ہے۔اللہ کی طرف سے توفیق وضلالت کا ملنا خود انسان کے اچھے یا برے عمل کا لازمی نتیجہ ہے۔

(۳) سورۃ البقرۃ میں دیکھئے﴿ومایضل بہ إلا الفٰسقین ۞﴾[البقرۃ:۲۶]''اور وہ (اللہ) اس کے ذریعے گمراہ نہیں کرتے لیکن انہی (لوگوں) کو جو ہمارا حکم نہیں مانتے۔'' آپ نے دیکھ لیا کہ پہلے انسان فسق،عدمِ اطاعت اور نافرمانی کرتا ہے۔اس فسق ونافرمانی کے نتیجے میں گمراہی کا ظہور ہوتا ہے۔

سورۃ النجم کی آیات مبارکہ پڑھئے:﴿وأن لیس للإنسان إلا ماسعٰی ۞ وأنہ سعیہ سوف یریٰ ۞﴾ [النجم ۳۹-۴۰] ''اور یہ کہ انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے کوشش کی۔اور یہ کہ اس کی کوشش جلدی دیکھی جائے گی۔'' اسے یوں سمجھئے کہ بچہ بولنا،چلنا کیوں سیکھتا ہے؟ وہ پہلے بولنے اور چلنے کی خود کوشش کرتا ہے،تو اس کے ماں باپ اس کو بولنا اور چلنا سکھاتے ہیں۔بچہ پاؤں اٹھاتا ہے۔والدین اس کا ہاتھ پکڑ کر دو چار قدم چلاتے ہیں۔اس طرح بچہ رفتہ

رفتہ چلنا سیکھ لیتا ہے۔ بولنے کی کوشش میں بچہ زبان ہلا کر مبہم آوازیں نکالتا ہے تو والدین اس کو بامعنی الفاظ سکھاتے ہیں۔ اس طرح دونوں کی باہمی کوششیں مل کر ثمر آور ہوتی ہیں۔ جب انسان عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو تقدیر الٰہی اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے۔ اس کے لیے راستہ آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ نے اپنی حکمت عملی سے انسان کو ارادہ اور ارادہ کے مطابق اپنے کام کرنے والے اعضاء کو ہلانے کی محدود طاقت عطا فرمائی۔ یہی ارادہ اور اعضاء کو اس کے مطابق حرکت دینے کی محدود قدرت ہی انسانی ذمہ داری، بازپرس اور مؤاخذہ کی بنیاد ہے۔ اور اسی پر انسانی اعمال، اخلاق اور معاملات کی پوری عمارت تعمیر ہے۔ اس لیے انسان پر اس کے کسی ایسے عمل کی ذمہ داری (تکلیف) قانوناً اور شرعاً نہیں جو اس کے ارادے اور نیت سے صادر نہ ہوئی ہو۔ بلکہ اس کے کرنے یا نہ کرنے میں وہ مجبور محض اور بے اختیار رہا ہو۔

اس تطبیق سے نہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار کی وسعت میں فرق آتا ہے اور نہ ہی انسان کا تمام تر مجبور ہونا لازم آتا ہے۔ اللہ جب چاہے انسان سے اپنے عطا کردہ اختیارات و قدرت چھین لے۔ یعنی موت آتی ہے یا کسی جسمانی نعمت سے معذور ہو کر محروم ہو جاتا ہے۔ مگر ایک معین وقت تک اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے عطا کردہ اختیار اور قدرت سے محروم نہیں کرتا۔ معاملے کی پیچیدگی سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل آیات اور احادیث مبارکہ پڑھیے:

قرآن کریم: ۱۔ ﴿وقُل الحقُ مِن ربِکم فمَن شآءَ فلیُؤمِن ومَن شآء فلیَکفُر إنآ أعتدنَا للظٰلِمین ناراً أحاطَ بهم سُرادِقُها﴾ [الکهف ۲۹] ''اور کہیے کہ حق وہ ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ (حق آچکا) اب جو چاہے اسے مان لے اور جو چاہے انکار کر دے۔ ہم نے ظالموں (انکار کرنے والوں) کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے، جس کی قناتیں انہیں گھیری ہوئی ہوں گی۔''

۲۔ ﴿إنَّ الذینَ کفرُوا سوآءٌ علیهم ءَ أنذرتَهم أم لمْ تُنذِرهُم لایؤمنونَ ۞ ختمَ اللهُ علٰی قلوبِهم وعلٰی سمعِهم وعلٰی أبصارِهم غِشاوةٌ ولهم عذابٌ عظیمٌ ۞﴾ [البقرة ۶-۷] ''بلاشبہ جن لوگوں نے انکار کر دیا، آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کے لیے برابر ہے، وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

دیکھیے ان آیات مبارکہ میں انسان نے اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو خوب سمجھ لینے کے بعد محض ہٹ دھرمی اور ضد کی